عربی ادب میں سید العلماءؒ کا مقام اور کارنامے

مشہور صحافی سلامت رضوی لکھنوی کے قلم حقیقت رقم سے

جناب غفران مآبؒ سے لے کر سید العلماءؒ کے دور تک علمائے خاندان اجتہاد ادب کی بحیثیت فن کسی اہمیت کے قائل نہ تھے اور اس کو بہت ضمنی حیثیت دیتے تھے بس کتب درسیہ اور پھر مطالعہ قرآن وحدیث سے جو ملکہ عربی عبارت کے لکھنے کا پیدا ہوتا تھا اسی کو کافی سمجھتے تھے۔ دوسرے بعض سلسلوں کے افراد علماء چونکہ فقہ واصول اور دیگر علوم عقلیہ اور نقلیہ میں یہ پایہ نہیں رکھتے تھے اس لئے ادھر سے بڑی شدت کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ تھا کہ اصل جو چیز ہے وہ ادب ہے۔ جب تک کوئی ادیب نہ ہو، اس وقت تک عالم ہو ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ اکابر خاندان اجتہاد کی کتابوں کی عبارتیں دیکھی جائیں تو ان میں ادبیت کی کمی نہیں ہے۔ مگر یہ صحیح ہے کہ ادب کو وہ فروعی حیثیت دیتے تھے۔

آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ کو اپنے خاندان کی اس کمی کو پورا کرنے کا خیال ہوا آپ نے ابتدا ہی سے عربی شعروادب پر توجہ کی اور ناظمیہ اور سلطان المدارس ہی کے دوران تعلیم میں ہندوستان کے علمی اور ادبی حلقوں میں آپ کی ادبیت کا شہرہ ہوگیا۔ پھر عراق جاکر آپ کو عربی شعروادب میں وہ ملکہ حاصل ہوا کہ آپ کے مضامین اور قصائد ونظمیں معیاری ترین عربی رسالوں میں چھپنے لگیں۔ سرکار سید العلماءؒ کی ادبیت اس طرح مسلم ہوئی کہ وہی افراد جو کہتے تھے کہ ادب اصل ہے اور چونکہ خاندان اجتہاد اس میدان میں پیچھے ہے، اس لئے ہم اس خاندان کے علماء سے افضل ہیں، اب ادب کی اہمیت گھٹانے لگے۔

عراق جانے سے قبل سرکار سید العلماء کو اپنے استاد جناب مفتی محمد علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا طرز جس میں جزالت الفاظ کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی مرغوب تھا، بڑے مفتی صاحب مرحوم کا نظریہ یہ تھا کہ عربی شاعری میں عرب جاہلیت کے شعراء کے اسالیب اور ادائے مطلب کا انداز ہونا چاہئے۔ وہ فرماتے تھے کہ بعد کے عربی شعراء کے یہاں فارسیت غالب آگئی ہے اور ہندوستان کے عربی گو دراصل عربی زبان میں اردو شعر کہتے ہیں۔ لیکن سید العلماء کا نظریۂ ادب عراق جاکر تبدیل ہوگیا۔ وہاں جاکر آپ نے موجودہ زمانے کے شعرائے عرب کے کلام کا اثر قبول کیا اور انسجام وتسلسل اور انداز تعبیر میں سلجھاؤ کو اصل اہمیت دینے لگے۔ چنانچہ سابق کے اکثر کلام پر جو مفتی صاحب مرحوم کا اصلاح کردہ تھا پھر خود اصلاح دی۔ اس کے نتیجہ میں بعض قصائد اور نظموں میں تسلسل خیال اور انسجام اس حد تک پایا جانے لگا کہ وہ منظوم کلام اس موضوع پر جس سے وہ متعلق ہو، ایک مقالہ کی حیثیت اختیار کرگیا۔

عربی اشعار کا سید العلماء کا ایک ضخیم دیوان موجود ہے۔ ان کے عربی اشعار اور قصائد عربی ماہنامہ ''الرضوان'' لکھنؤ کے علاوہ نجف، دمشق اور قاہرہ کے معیاری جرائد میں

بھی طبع ہوئے۔ وہ تنہا ہندوستانی عالم اور ادیب ہیں جن کا قصیدہ اس صدی کی معرکۃ الآرا تصنیف الغدیر میں علامہ امینی نے درج کیا ہے۔

چونکہ اس رسالے کے قارئین کی اکثریت اردوداں طبقے پر مشتمل ہے، اس لئے ہم سیدالعلماء کے قصائد کے منتخب اشعار پیش کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ ''سیدالعلماء کا عربی ادب میں مقام'' پر آئندہ کتابیں لکھی جائیں گی اور ممکن ہے کہ اکادمی سے بھی اس موضوع پر عنقریب ایک کتاب شائع ہو۔

ترجمہ اشعار بہ اشعار

یہ ایک مشکل فن ہے اور اردو اشعار کے عربی میں منظوم ترجمے کے لئے عربی زبان پر انتہائی قدرت کی ضرورت ہے۔

سیدالعلماء کو اس کا خیال اپنے استاد مفتی محمد علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی مثال دیکھ کر پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں سیدالعلماء اپنی 'شرح حال' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس کی ابتداء ہمارے استاد مولانا مفتی سید محمد علی صاحب قبلہ مرحوم نے فرمائی تھی۔ ایک تو امیرالمومنینؑ کے صوت ناقوس والے اشعار کا ترجمہ انھوں نے اسی بحر میں کیا۔ اس طرح کہ ایک شعر کا ترجمہ ایک ہی شعر میں ہو۔ پھر اپنے عربی قصائد جنھیں پڑھوانا چاہتے تھے، ان میں سے ہر شعر کا ترجمہ ایک اردو شعر میں انھوں نے فرمانا شروع کیا۔

بات یہ ہے کہ ان کے عربی اشعار دقیق بہت ہوتے تھے۔ اس وقت سلطان المدارس وغیرہ میں عربی مشاعرے ہوا کرتے تھے تو دوسروں کے قصائد پر خوب واہ واہ ہو مگر جناب مفتی صاحب اور مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ مرحوم، ان دو بزرگوں کے یہاں سناٹا ہوجائے۔

جناب مفتی صاحب نے اب یہ طریقہ اختیار کیا۔ اس میں ان اہل علم کی عربی دانی پر حقیقتاً ایک بڑا طنز تھا، نتیجہ اب یہ ہوا کہ جب عربی شعر پڑھا جائے تو سناٹا رہے اور جب وہی پڑھنے والا لہک کر اس کا اردو ترجمہ پڑھ دے تو چونکہ صرف یہ ترجمہ نہیں بلکہ محاسن شاعری سے لبریز اردو کے لطف زبان کے ساتھ ایک مستقل شعر ہوتا تھا تو محفل چیخ اٹھے۔ کئی قصیدے جناب مرحوم نے اسی صنعت کے ساتھ نظم فرمائے مگر افسوس ہے کہ مجھے ان با ترجمہ قصائد کے ان سے حاصل کرنے اور اپنے پاس محفوظ کرنے کا موقع نہ ملا۔ تاہم میں چونکہ عربی ادب میں موصوف سے وابستہ تھا تو مجھے بھی اس ترجمہ شعر بشعر کا ذوق پیدا ہوا۔ پہلے تو انہدام جنت البقیع کے سلسلہ میں جب ناظمیہ کے طلاب نے ایک علم اٹھایا جو کربلا گیا تو اس کے لئے پہلے سے یہ طے پایا کہ اس میں نوحہ عربی کا پڑھا جائے۔ چنانچہ میں نے

نوحہ کہا جس کا ہر پانچواں مصرع تھا: لَیْتَ السَّمَاءُ اَطْبَقَتْ فَوْقَ الثَّرٰی تو میں نے اس کا منظوم ترجمہ اسی طرح کیا کہ ہر مصرع کا ترجمہ ایک مصرع میں ہو۔ یہ سرفراز اخبار میں شائع ہوا۔ اس کے بعد 'لامیة العرب' شنفری کا بڑا دقیق عربی قصیدہ زمانہ جاہلیت کا ہے جو فاضل ادب کے کورس میں داخل تھا، میں نے اس کی شرح ''روح الادب'' لکھی تھی جس کا ذکر تصانیف میں آئے گا، اسی کا اردو ترجمہ اسی طرح مکمل نظم کیا کہ ایک شعر کا ترجمہ ایک شعر میں، مگر یہ کہیں چھپا نہیں۔

عراق سے آنے کے ایک عرصہ بعد مولانا عدیل اختر صاحب مرحوم کے قطعات تاریخ وفات عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں نظم کئے جن میں سے ہر ایک دوسرے کا ترجمہ ہے اور خاص بات جو ذرا مشکل تھی یہ ہے کہ مادّہ ہائے تاریخ بھی تینوں زبانوں کے قطعوں میں ترجمہ ہی کی صفت کے حامل ہیں۔ یہ قطعات غالباً ''سرفراز'' میں شائع ہوئے مگر اس سلسلہ کی جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی، وہ میر انیسؔ کے معرکہ آرا مرثیہ:

''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے''

اس کے شروع کے تیس بندوں کا جو نماز صبح کے تذکرہ پر مشتمل ہیں میں نے اس مسدس کی شکل میں جیسے ہمارا مرثیہ ہوتا ہے، عربی میں ترجمہ کیا، اسی پابندی سے کہ ہر مصرع کے مقابل میں اس کے ترجمہ والا مصرع ہو۔

چونکہ اس وقت میرا عربی مجلہ ''الرضوان'' جاری تھا اور عربی میں ''موشحہ'' اہل اندلس کی ایجاد ہے، اس میں بہت طرز مخمس وغیرہ کے ہیں اور ترکیب بند کا بھی انداز ہے مگر یہ اسلوب جو ہمارے مرثیہ کا ہے یعنی چار مصرعے ایک قافیہ میں اور دو مصرعے آخر کے جو بیت والے ہوتے ہیں، ایک قافیہ میں۔ یہ طرز عربی میں موجود نہیں ہے۔ پھر مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مرثیہ عربی میں قصیدہ ہی کی تعریف میں داخل ہے اور اس میں بس مرنے والے کے اوصاف اور اس کی موت پر اظہار غم وملال ہوتا ہے مگر مرثیہ کے اجزاء جو ہمارے یہاں ہیں، اردو سے مخصوص ہیں۔ تو میں نے عرب کی دنیائے ادب کو مرثیہ کے اسلوب نظم اور نوعیت مضمون دونوں کا تعارف کرانے کے لئے یہ ترجمہ کیا جس میں اتفاق سے ترجمہ ہوتے ہوئے عربی زبان کے محاسن اور لطف مضامین ومعتبرات کے ایسے خصوصیات جمع ہو گئے جن کی وجہ سے ذوق عربی رکھنے والے ادباء کی نظر میں اس کی خاص اہمیت محسوس کی گئی۔ یہ پہلے تو عربی ہی میں مجلہ ''الرضوان''

میں شائع ہوا۔ پھر اس کی شہرت ومقبولیت کی بنا پر مرزا محمد جواد صاحب مرحوم مالک نظامی پریس نے اصل میر انیسؔ کے بندوں کے ساتھ اپنی نظامی جنتری میں شائع کیا۔

ان تیس بندوں کے بعد دیکھنے والوں کوتو یہ خیال ہوگا کہ اتنے ہی پر ترجمہ میں ارادۃً اکتفاء کی گئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ارادہ پورے مرثیہ کے ترجمہ کا تھا مگر میر صاحب کی ایک بیت نے قلم ہاتھ سے چھڑا دیا۔ وہ یہ مشہور بیت ہے:

صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے
یا رب رسولؐ پاک کی کھیتی ہری رہے

حقیقت یہ ہے کہ اس بیت کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہوسکتا۔

فن تاریخ گوئی میں سید العلماء کا کمال

سید العلماء کی جامع الاطراف عبقریت کا اس میدان میں بھی ظہور ہوا۔ آپ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں تاریخ گوئی کے مسلم الثبوت استادفن تھے۔

بعض قطعات کے اقتباسات اور مادّہ ہائے تاریخ

(۱) بسلسلۂ وفات برادر محترم مولانا سید کلب حسین مرحوم:

لَمْ يَزَلْ مُحَافِظاً لِحمىً
لِحَقٍّ مُجَاهِدًا بِكُلِّ الْجُهُوْدِ
نَاشِرًا حَدِيْثَ اَمْرِ حُسَيْنٍ
رَافِعًا بِذِكْرِهٖ لِلْبُنُودِ
فِي الْحُجَّاجِ بَيْنَ الْمَلَأ تَرَاهُ
هَازِماً بِبَأْسِهِ لِلْجُنُودِ
وَمَضٰى اِلىٰ الْجِنَانِ فَاَلْقىٰ
رِحْلَهُ لَدَى الْحُسَيْنِ الشَّهِيْدِ
ثَاوِيًا بِبَابِهٖ كَالَّذِىْ
يَطْرُدُ عَنْ حِمَاهُ كُلَّ عَنِيْدٍ
قُلْ مُؤَرِّخاً (أَكَلْبُ حُسَيْنٍ
بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ)

۱۳۸۳ھ

(۲) بسلسلۂ وفات استادعلام جناب سید باقر صاحب قبلہ

اَرٰى عُيُوْنَ الْهُدٰى تَبْكِيْ لِنَاصِرِهٖ
وَالْعِلْمُ اَظْلَمَتْ الدُّنْيَا بِبَاظِرِهٖ

اِلیٰ اَنْ قَالَ

فِي شَهْرِ شَعْبَانَ اَشْجَانَا بِرِحْلَتِهٖ
لَمَّا مَضَتْ سَنَةٌ مِنْ بَعْدِ عَاشِرِهٖ
فَقَالَ فِی عَامِهٖ شَجوًا مُؤَرِّخُهُ
(اَلفِقْهُ اَشْجَاهُ حُزْنًا مَوْتُ بَاقِرِهٖ)

۱۳۴۶ھ

(۳) وفات مولانا سید عدیل اختر صاحب پرنسپل مدرسۃ الواعظین

فَقَابَكَ الْهُدیٰ وَالرَّوْضِ الْمُصَفَّرِ
وَشَمُلَ حُمَاۃَ حَوْزَتِهٖ مُبَعْثَرٍ
بِكُلِّ صَبِيحَةٍ وَمَسَاءِ يَوْمٍ
يَرٰى رُكْنَ لَهُ قَدْ مَالَ اَوْخَرّ

وَلَا كَالْيَوْمِ حَيْثُ قَضَىٰ هُمَامٌ
تَبِيْنُ صَادِقاً فِى كُلِّ مُخْبَرٍ

اِلَىٰ اَنْ قَالَ

رُزِيَتْ بِهِ فَغَاضَتْ عَيْنُ صَبْرِىٰ
وَمَاءُ الْعَيْنِ مِنْ حَفِيْرٍ تَحْدُرُ
وَكَيْفَ اَرَى سَلُوا مَنْ اَسَاهُ
وَلَمْ اَجِدِ الْعَدِيْلَ بِهِ وَاخْتَرْ
فَاِنْ قَالُوا هُنَاكَ لَاَهْلُ عِلْمٍ
اَتَى التَّارِيْخُ (هَلْ كَعَدِيْلِ اَخْتَرْ)
۱۳۷۰ھ

(۴) وفات حجۃ الاسلام شیخ محمد رضا آل یٰس نجفی

مَا لِلْحَدْثَانِ الْيَوْمَ رَصَتْ
سَهْمَا تَتَخِذُ الْعُلْيَا غَرَضَا

اِلَىٰ اَنْ قَالَ

قَرَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الرِّضْوَانِ
فَاَرِّخْ (حَلَّ الرَّمْسَ رِضَا)
۱۳۷۰ھ

(۵) وفات العلّامہ المجاہد الشیخ محمد جواد البلاغی

اَتَانِىْ بَرِيْدُ الْاَسْىٰ مُرْسَلَا
وَلَيْسَ عَلَى الرُّسُلِ غَيْرُ الْبَلَاغِ
يَبْغِى لَهُ هَاجٍ بَيْنَ الضُّلُوْ
عِ بَحْرٌ مِنَ الْهَمِّ وَالبَحْرُ طَاغٍ

اِلَىٰ اَنْ قَالَ

اَتِلْكَ الْقِيَامَةُ؟ قُلْتُ مُؤَرِّخًا
(بَلْ مُصَابُ الْاِمَامِ الْبَلَاغِى)
۱۳۵۲ھ

(۶) وفات آیۃ اللہ شیخنا میرزا حسین نائینی:

حَاوَلْتُ اَنْدِبُهُ فَارْتَجَتِ الصُّحُفُ وَعَادَ شَجْوًا يُرَاعِى وَهُوَ مُنْقَصِفُ

اِلَىٰ اَنْ قَالَ

اَرْضُ الْغَرِّبَيْنِ حَيَّ اللّٰهُ قُرْبَتَهَا
وَجَادَهَا مِنْ مَرَاضِى لُطْفِهِ وَطَفُّ
كَمْ قَدْ زَهَتْ فِى اِمَامٍ كَانَ عِزَّتُهَا
وَبَدْرٌ تَمَّ بِهِ الْبَهْمَاءُ تَنْكَشِفُ
وَ كَعْبَةٌ لِبُغَاةِ الْعِلْمِ قَائِمَةٌ
فِيْهَا لِرُوَّادِ نَهْجِ الشَّرْعِ مُخْتَلِفُ
وَقِبْلَةٌ لِنَبِيِّ الْاِسْلَامِ فَاطِمَةٌ
لِلْعِلْمِ مُنْعَرِجٌ فِيْهَا وَمُنْعَطِفُ
دُرُوْسُهُ مُحْكَمَاتُ الْاٰىِٔ عِنْدَهُمْ
وَقَوْلُهُ الْفَصْلُ فُرْقَانٌ اِذَا اخْتَلَفُوا
كَاَنَّ الْغَرِى غَرِىُّ الْعِلْمِ عَامِرَةً
بِشَخْصِهِ الْمَنْظَرِى فِى طَيِّهِ السَّلَفُ
وَالْيَوْمُ حِيْنَ دَهَاهَا خَطْبُ رِحْلَتِهِ
اَضْحَتْ بَارِجًا بِهَا الْاَحْزَانُ تَعْتَكِفُ
وَحَيْثُ زَادَ الْاَسَى نَادَىٰ مُؤَرِّخُهُ
(مَضَىٰ حُسَيْنٌ فَحَاكَىٰ طَفُّهُ النَّجَفُ)
۱۳۵۵ھ

(۷) وفات مولانا سید محمد سجاد صاحب مناظر:

اَتَانِى نَعْىُ سَجَّادٍ فَاَجْرَىٰ
شُئُوْنَ صَدَّامِعِىْ وَيْلاً وَطَلّا

اِلیٰ اَنْ قَالَ

وَجَادَ التَّارِیْخُ بِالتَّارِیْخِ
(فِیْ مَسْجِدٍ بِالْخُلْدِ سَجَّادٌ تَجَلّٰی)
۱۳۸۵ھ

(۸) تاریخ زلزلۂ عظیمہ:

رَأَیْتُ بِعَیْنِی الْجُذْ رَانَ تَهفُو
کَاَغْصَانٍ یَمُرُّ بِهَا النَّسِیْمُ
وَاَنَّ الْاَرْضَ تَرْجُفُ اِضْطِرَابًا
فَقُلْتُ (اَجَائَهَا شَئٌ عَظِیْمٌ)
۱۳۵۱ھ

(۹) وفات حجۃ الاسلام شیخ عبداللہ مامقانی رحمہ اللہ

زِدْتُ کَرَلِیْ وَلَوْعَةَ الْاَشْجَانِ
اَیُّهَا النَّاعِی فَرْدَ هٰذَا الزَّمَانِ

اِلیٰ اَنْ قَالَ

وَالهُدَی اِذْ وَجَدْتُ یَبْکِیْ لَهُ
اَرَّخْتُ (یَبْکِی عَلَّامَةُ الْمَامُقَانِ)
۱۳۵۱ھ

(۱۰) وَفَاةُ الْوَالِدِ العَلَّامَةِ مَوْلَانَا السید ابو الحسن طَابَ ثَرَاهُ

مَا اَنْسَ لَا اَنْسِی الَّذِیْ رَبَّنِیْ
فِیْ ظِلِّ لُطْفٍ مِنْهُ کَالرَّوْضِ الْاَغَنِّ
شَیْخِیْ وَاُسْتَاذِیْ وَقِبْلَةُ مَقْصَدِیْ
اَبِیْ الرَّؤُفِ الْبَرِّذُوْا لخُلْقِ الْحَسَنِ

اِلیٰ اَنْ قَالَ

وَمَضٰی فَقُلْتُ مُؤَرِّخاً
(فُجِعَتْ شَرِیْعَةُ اَحْمَدَ بِاَبِی الْحَسَنِ)
۱۳۵۵ھ

وَلَئِنْ تُرِدْ اُخْرَیٰ فَقُلْ تَارِیْخَهُ
(فُجِأَ الهُدَیٰ خَطْبٌ بِمَوْتِ اَبِیْ الْحَسَنِ)
۱۳۵۵ھ

(۱۱) وفات استاذ نا حجۃ الاسلام میرزا ابوالحسن مشکینی:

مَوْتُ الْهُمَامِ الْفَذِّ اُسْتَاذِ الَّذِیْ
قَدْ جَلَّ فَضْلُ هُدَاهُ عَنْ لَمْ اَوْلِاَنْ
وَسَمِیْ وَالِدِی الرَّؤُفُ وَکَانَ لِیْ
مِثْلُ الْاَبِ الْحَنّانِ اِذْ قَدْ عَلَّمَنْ

اِلیٰ اَنْ قَالَ

وَاَتَانِیْ النَاعِیْ فَقُلْتُ مُؤَرِّخاً
(کَمْ مُعْضَلٍ فَاجِئٍ وَلَیْسَ اَبُوالْحَسَنِ)
۱۳۵۸ھ

(۱۲) قطعۂ تاریخ وفات سلطان المجتہدین مولانا السید سبط حسین:

هَا لَقَدْ قُرَّتْ عُیُوْنُ الشامتینا
حَیْثُ اَبْکَی الْمَنُوْنُ مَنَّا الْعُیُونَا
هَدَّمَنَا الْحَمَامُ رُکْنًا رَکِیْنًا
لِبَنِی الدِّیْنِ کَانَ حِصْنًا حَصِیْنًا
مَاتَ رَبُّ الْفِخَارِ مَنْ کَانَ فِی الْقَوْ
مِ لِخَیْرِ الأَبَاءِ خَیْرَ الْبَنِیْنَا

وَرِثَ الْمَجدُ عَنْ جُدُوْدِ کِرَامٍ
سَبَقُوْاالسَّابِقِیْنَ عِلْمًا وَدِیْنَا

اِلٰی اَنْ قَالَ

وَاتیٰ بَعْدِ ذَاکَ سِبْطُ حُسَیْنٍ
شَارِحًا فِی الصِّفَاتِ تِلْکَ الْمُتُونَا
جَامِعًا لِلْعُلُوْمِ فَذَا وَحِیداً
مُسْتَکِنًّا اَسْرَارَهَا وَالْبُطُونَا
فَاِذَا مَا تَرَاهُ ثُمَّ تَرَاهُ
یَجْمَعُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَا
بِسَجَایَا تَشَابَهُ السَّابِقِیْنَا
وَعُلُوْمٍ تَفِیْضُ اللَّاحِقِیْنَا
وَلَقَدْ مَاتَ فَابْتَدرْتُ اِلٰی
تَارِیْخِه (مَاتَ اٰخِرُ الْاَوَّلِیْنَا)

۱۳۷۱ھ

(۱۳) اپنے چھوٹے بھائی سید ابراہیم عرف بچھن کے انتقال کی تاریخ:

لے گئی سوزش دل جب کہ مجھے سوئے مزار
کھینچی اک آہ تو درد جگری اور بڑھا
پھر کہا دل نے یہ میرے پی تاریخ وفات
یہ گہرہائے نہاں خاک کے پردے میں ہوا

۱۳۴۱ھ

ایضاً

گفت عالم بر سال وفاتش چنیں
(سید ابراہیم سوں ام رفتہ آہ)

(۱۴) اپنی ایک لڑکی کے لوح مزار کے لئے جو آگرہ میں دفن ہے:

قلم نے لکھ دی یہ لوح مزار پر تاریخ
(یہ جا ہے خوابگہ بنت سید العلماء)

۱۳۶۶ھ

(۱۵) تاریخ ورود نجف اشرف بسلسلۂ تحصیل علم:

نظر بقبۂ پاک علیؑ چو افگندم
برائے گوہر مقصود شد دلم چو صدف
نمود سجدہ وکلکم نوشت تاریخش
(طلوع طالع قسمت شدہ بسوے نجف)

۱۳۴۵ھ

(۱۶) قطعۂ تاریخ ولادت فرزند عندلیب زہرا بنت مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری در ماہ رجب ۱۳۸۷ھ اکتوبر ۱۹۶۷ء

طَالَ عُمْرُ الْمَوْلُوْدِ فِی
شَهْرِ مِیلَادِ الْمُرْتَضیٰ
قُلْ بَدِیْهًا تَارِیْخَهٗ
(مُرْتَضیٰ اٰلُ الْمُجْتَبیٰ)

۱۹۶۷ء

اردوشاعری

سرکار سید العلماء کو حالانکہ اردو شعر گوئی کا ذوق وشوق نہیں رہا۔لیکن بسا اوقات کسی کی فرمائش پر یا اتفاقی طور پر ذہن کی تحریک سے کبھی کبھی سلام اور نوحے یا بعض قطعات تاریخ وغیرہ نظم ہو گئے۔گو سید العلماء خود اپنے اردو

اشعار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ لیکن یہ ان کی عبقریت تھی حالانکہ یہ ان کا میدان نہیں تھا لیکن اس میں بھی بعض اعلیٰ اشعار نظم ہوئے ہیں۔ کچھ اشعار متفرق طور پر درج کئے جاتے ہیں:

نیستی کے ساتھ ہستی یوں ہے جیسے مرتضیٰؑ
بن گئے بے نفس ہوکر نفس ختم المرسلینؐ
لائے روز و شب علوّ مرتبت پر دو گواہ
گھر پہ تارے کا اترنا، رجعت مہر مبیں



جب نکالی سینۂ اکبرؑ سے سرورؑ نے سناں
نیزے جتنے فوج میں تھے سب کے سب تھرّا گئے
کہہ دیا تیروں سے رکھنا مجھ کو اپنے دوش پر
حضرت شبیرؑ اپنی لاش یوں اٹھوا گئے



کچھ نہ آیا مال دنیا کام اشکوں کے سوا
ایک رشتے میں یہی موتی پرویا کیجئے
ہوگی عبرت دیکھ کر اصحاب رفتہ کے قبور
دو گھڑی گور غریباں کا تماشا کیجئے



قلب و جگر پہ تیر لگایا کرے کوئی
دامان زخم ڈال کے پردہ کرے کوئی
دل خاک ہو کے مل گیا ذروں میں طور کے
پہلو میں کیا ہے اب جسے ڈھونڈھا کرے کوئی



چھا گئی ہے اب تو تاریکی رخ اسلام پر
آئینہ بھی جگمگا اٹھے، وہ صورت اب کہاں



قصیدۂ ''لیل ونہار'' بسلسلۂ عیدغدیر کے کچھ اشعار:

شب غم کیا ہے؟ مسند سے نبیؐ کی پوچھ لو جا کر
سحر کیا ہے؟ اسے پوچھو غدیر خم کے منبر سے
ہوئی تکمیل ایماں آج کے دن ذات حیدرؑ سے
امامت کو ملا یہ بے بہا گوہر مقدر سے
وہ زور آیۂ بلّغ، وہ شان حکم تاکیدی
حفاظت کا وہ وعدہ فتنہ انگیزوں کے بھی شر سے
وہ پتھریلی زمیں اور وہ عرب کی دھوپ، وہ گرمی
وہ حدت مہر کی لڑتی تھی جو گرمئ محشر سے
تمازت سے یہ حالت تھی غدیر خم کے میداں کی
قدم کی ٹھیس سے چنگاریاں اڑتی تھیں پتھر سے
زمیں پر بارش رحمت نے چھڑکاؤ کیا پہلے
فرشتوں نے بچھایا فرش اس پر اپنے شہپر سے



خاکِ نجف سے ہوئے جوں ہی قدم متصل
پاؤں کا ہر آبلہ دُرِّ نجف ہوگیا



دوستان بے سروساماں کی عشرت کیا کہیں
داغہائے دل چمک اٹھے، چراغاں ہوگیا



بسلسلہ مدح امام عصر عجل اللہ فرجہ

اس طرف تو ماہ کامل نے دکھایا آئینہ
اس طرف اک چاند سا بچہ نمایاں ہوگیا

دیکھنے والے جمال رخ سے حیراں ہی رہے
باتوں باتوں میں وہاں تو ختم قرآں ہوگیا
کب درِ مہدیؑ کو چھوڑا اس نے تا محشر کبھی
آج امامت سے بخوبی عہد و پیماں ہوگیا



مرثیہ کے کچھ بند بغیر تسلسل

الغرض مل گئی اک رات کی مہلت شہ کو
شب تاریک بنی صبح شہادت شہ کو
تھی جو مرغوب بہت حق کی اطاعت شہ کو
کہکشاں بن گئی محراب عبادت شہ کو
چاندنی بن کے مصلّٰی جو زمیں پر پھیلی
ہوگئے محو عبادت میں حسینؑ ابن علیؑ

کوئی راکع، کوئی ساجد، کوئی مشغول قیام
کوئی ماہ شب اول تو کوئی بدر تمام
رند اس مے کا کوئی جس کا جوانی بھی ہے نام
کوئی خم گشتہ کمر ہونے پہ ہم شکل حسام
دی ہے بالوں کی سپیدی نے خبر پیری کی
ہے شب غم میں نمودار سحر پیری کی

اپنے خیمہ میں ہے بیدار حُرؑ خوش انجام
خوف محشر سے ہے لرزاں صفت بید اندام
دل میں کہتا ہے کہ کیوں راہ میں پکڑی تھی لجام
کیوں نہ جانے دیا جس سمت کو جاتے تھے امام
کیا خبر تھی کہ جفا سبط نبیؐ پر ہوگی
بدلے دعوت کے یہاں دعوت خنجر ہوگی

دم بدم کرتا ہے افلاک کی جانب وہ نظر
دل میں کہتا ہے کہ تا حشر نہ اب ہوگی سحر
بیڑیاں تاروں کو پہنائے ہے ظلمت کا بھنور
کیا اسی رات سے وابستہ ہے صبح محشر
کس کو دردِ دل مضطر کی خبر ہوتی ہے
رنگ رخ اڑ کے یہ کہتا ہے سحر ہوتی ہے

انہی کاموں میں ہوئی شاہ کو یہ رات بسر
آشکارا سوئے مشرق ہوئے آثار سحر
چاند نے اپنے مصلّے کو لپیٹا یک سر
شمعیں خاموش ہوئیں یا ہوئے پنہاں اختر
بزم ہے شب کی، نہ ساغر ہے، نہ اب ساقی ہے
فرش گردوں پہ شعاعوں سے شکن باقی ہے

